کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد سے بدلا جا سکتا ہے؟

(از مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی)

(۴)

سلسلہ کے لئے دیکھو محدث اگست ۱۹۵۷ء

اولیات عمرؓ خلفائے راشدین کے جن فیصلوں کو تبدیلی احکام کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ زور حضرت عمرؓ کے ان فیصلوں پر دیا جاتا ہے۔ جن کا ذکر مورخین اولیات عمرؓ[۱] کے نام سے کرتے ہیں۔ مثلاً سواد عراق کی زمین کا بندوبست، قطع ید کی منسوخی، حد خمر میں اسی کوڑے کی تعیین، امہات الاولاد کی خرید و فروخت کی ممانعت، ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دینا، گھوڑوں کی زکوٰۃ کی وصولی، کتابیہ سے نکاح کی ممانعت، ہجو گوئی اور تشبیب کی ممانعت، بیس رکعت تراویح با جماعت کی تعیین وغیرہ، ان کے علاوہ بھی بعض اولیات عمرؓ کو ڈاکٹر محمصانی اور ادارہ ثقافت کے فضلا نے بطور ثبوت پیش کیا ہے، آئندہ صفحات میں ان تمام اولیات عمرؓ کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ اس سے اہل علم خود فیصلہ کریں گے۔ کہ حضرت فاروقؓ کے یہ فیصلے کتاب و سنت کے خلاف تھے یا ان کے تقاضے اور منشار کے مطابق تھے۔

سواد عراق کا بندوبست سواد عراق کی زمینوں کا جو بندوبست حضرت عمرؓ نے کیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بندوبست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کے بالکل خلاف ہے۔ جو آپ نے خیبر میں اختیار فرمایا تھا۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر مصلحت متقاضی ہو تو ہر صاحب امر کو یہ اختیار ہے۔ کہ وہ اپنے اجتہاد سے جس ثابت شدہ اسلامی حکم کو چاہے بدل دے۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ اور اسوۂ نبوی میں ان ہی لوگوں کو تخالف اور تضاد نظر آتا ہے۔ جو اس مسئلہ پر

---

[۱] اولیات عمرؓ کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔ ان کو اولیات دو مفہوم کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ کام سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے کیا، مثلاً جیل خانہ کی ایجاد، دوسرے یہ کہ اس حکم کو اس صورت میں حضرت عمرؓ نے نافذ کیا یا کتاب و سنت میں اس کے دو پہلو نکلتے تھے۔ ان میں سے ایک کو حضرت عمرؓ نے مؤکد کر دیا۔

سرسری اور سطحی نگاہ ڈالتے ہیں، مگر جو اہل علم نے وغنیمت کے سلسلہ میں قرآن کی مفصل ہدایات اور اسوۂ نبوی کے ہر پہلو پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ سواد عراق کی زمینوں کے بندوبست میں حضرت عمرؓ نے اپنے ذاتی اجتہاد کو قرآن کی ہدایات یا اسوۂ نبوی پر ترجیح دی۔

حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ فے وغنیمت[۱] کے اموال وجائداد کی تقسیم کے سلسلہ میں قرآن نے جو ہدایات دی اور ان کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرزِ عمل اختیار فرمایا ہے ان پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ ہم اختصار کے ساتھ ان کو پیش کرتے ہیں۔

فے اور غنیمت کے اموال کی قسمیں فے اور غنیمت کے ذریعہ جو چیزیں اسلامی حکومت کے قبضہ میں آئیں وہ دو طرح کی تھیں، ایک منقولہ اموال مثلاً روپیہ پیسہ، سونا چاندی، سواری اور سامان وغیرہ دوسرے غیر منقولہ جائدادیں جیسے زمین مکان وغیرہ۔

منقولہ اموال میں اسوۂ نبوی منقولہ اموال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طرزِ عمل یہ ہوتا تھا کہ آپ سب سے پہلے اسلامی حکومت کا خمس[۲] ۱/۵ نکلوانے کے بعد بقیہ ۴/۵ کو ضرورت وخدمت کے تحت فوجیوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ یہ طرزِ عمل ان منقولہ اموال میں ہوتا تھا جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہوتے تھے۔ لیکن جو غیر منقولہ اموال صلح و معاہدہ یا بطور ٹیکس آپ کے پاس آتے تھے، اس میں خمس نہیں نکالا جاتا تھا بلکہ قرآن کی ہدائیت کے مطابق وہ سب آپ عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے تھے، اس تقسیم میں بھی آپ ضرورت وخدمت کا لحاظ فرماتے تھے۔

خمس جو اسلامی حکومت کی ملکیت میں ہوتا تھا۔ قرآن کی ہدائیت کے مطابق آپ اس سے کچھ اپنے اور اپنے اہل و عیال

---

[۱] عام طور پر فے اور غنیمت میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ فے وہ مال ہے جو بغیر جنگ کئے ہوئے صلح یا معاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو اور غنیمت وہ مال ہے جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہو، مگر یہ فرق ایک اصطلاحی فرق ہے ورنہ قرآن، حدیث اور آثار صحابہ میں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں دونوں لفظ کے استعمال میں اصطلاحی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے بعض علماء نے ان دونوں میں یہ تفریق کی ہے کہ غنیمت منقولہ اموال کو کہتے ہیں اور فے غیر منقولہ کو قرآن کے ظاہری الفاظ سے یہ تفریق صحیح معلوم ہوتی ہے مگر ارشاد نبوی میں اسلامی حکومت کی ہر طرح کی آمدنی کو فے کہا گیا ہے اس لئے بالکلیہ یہ تفریق بھی صحیح نہیں ہے مگر اکثر اعتبار سے صحیح ہے۔

[۲] خمس کو اسلامی حکومت کا حق اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بھی مصالح عامہ میں ہی صرف ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ ھذہ غنائمکم وانہ لیس لی فیھا الانصیبی معکم الخمس والخمس مردود فیکم۔ یہ غنائم تمہارے ہی لئے ہیں اس میں میرا حصہ بجز خمس کے کچھ نہیں ہے اور خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے۔

کے کفاف کے لئے لے لیتے تھے۔ اور بقیہ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر صرف فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی ہدائیت کا ذکر آگے آئے گا۔

غیر منقولہ جائدادوں میں آپ کا طرزِ عمل

منقولہ اموال میں تو آپ کا طرزِ عمل ہمیشہ یہی رہا۔ مگر غیر منقولہ جائدادوں میں قرآن کے دئیے ہوئے اختیار کے مطابق آپ کا طرزِ عمل حالات و مصالح کے پیش نظر مختلف مواقع پر مختلف رہا۔ کبھی آپ نے کسی جائداد کو مستحقین میں تقسیم کر دیا کبھی مفاد عامہ کی خاطر اسے حکومت کی ملک قرار دیا۔ کسی جائداد کے بعض حصہ کو تقسیم کیا اور بعض کو اپنے اور اپنے اہل و عیال کی کفالت کے لئے مخصوص فرما لیا، کسی جائداد کو مہمانوں، مسافروں اور وفود کے اخراجات کے لئے خاص فرما دیا۔ غرض ضرورت و مصلحت کے مطابق آپ اس میں تصرف فرماتے تھے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی غیر منقولہ جائداد آپ کو انصارؓ نے دی تھی۔ جس کو آپ وقتاً فوقتاً ضرورت مند مسلمانوں کو زراعت وغیرہ کے لئے عنائیت فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد ایک اہل کتاب صحابی حضرت مخیریقؓ نے غزوۂ احد کے دن[1] آپ کو اپنے چھ ذاتی باغات ہبہ کر دئیے تھے۔ جس کی آمدنی کو آپ نے عام مسلمانوں کے لئے وقف فرما دیا تھا۔ اس کے بعد یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو نضیر کی جائداد اسلامی حکومت کے قبضہ میں آئی اسی موقعہ پر سورۂ حشر کا نزول ہوا۔ اور اس میں اس جائداد اور دوسری غیر منقولہ جائدادوں کے بارے میں ہدایات دی گئیں، خاص طور پر بنو نضیر کی جائداد کے بارے میں آپ کو اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے پورا اختیار دیا گیا کہ آپ اسے جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں صرف کریں۔ چنانچہ آپ نے اس کا ایک حصہ مہاجرین میں تقسیم فرما دیا،[2] اور ایک حصہ کو ازواج مطہراتؓ، اہل بیت اور اپنی کفالت کے لئے مخصوص فرما لیا۔ جو

---

[1] اسی غزوہ میں یہ زخمی ہوئے اور شہید ہوئے۔ زخمی ہونے کے بعد انہوں نے یہ باغات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دئیے تھے۔ ان کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا مخیریق سابق یہود و مخیریق یہود میں سب سے آگے جانے والوں میں ہیں۔

[2] بعض روائیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بنو نضیر کی کل زمین و باغات کی آمدنی کو آپ نے اپنے اہل و عیال کے کفاف کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور اس سے جو کچھ بچ جاتا تھا وہ آپ سامان جہاد کی تیاری میں صرف کرتے تھے لیکن ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے چونکہ اس جائداد میں خدا نے آپ کو کلی اختیار دیا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں صرف کریں اس لئے اس اختیار کی بنا پر اس کو عام طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ کہا جاتا تھا۔ اسی بات کو بعض رواۃ نے یوں بیان کیا ہے کہ یہ جائداد آپ کے لئے مخصوص تھی مگر اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ نے اسے تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ اس میں محض آپ کے قبضہ و اختیار کا ذکر ہے۔ اس لئے کچھ حصہ کا تقسیم کر دینا اس کے منافی نہیں ہے۔ زرقانی نے اس کی ایک اور توجیہہ کی ہے۔
(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۴ پر)

حصہ اپنے اہل و عیال کے لئے مخصوص فرمایا تھا۔ اس کی آمدنی سے صرف بقدر کفاف ازواج مطہرات اور اہلبیت کو عنایت فرماتے تھے۔ بقیہ آمدنی دینی ضروریات اور جہاد کے سامان کی تیاری میں صرف[1] ہوتی تھی حضرت عمرؓ کے الفاظ ہیں۔

اموال بنو نضیر حبسا لنوائبہ

بنو نضیر کی ساری جائداد آپ کی ان دینی و دنیاوی ضروریات کے لئے مخصوص تھی جو آپ کو پیش آتی رہتی تھیں۔

بنو نضیر کے بعد دوسرے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی جائداد آپ کے قبضہ میں آئی خمس نکالنے کے بعد اس کو آپ نے تمام مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، فتوح البلدان میں امام زہری کا قول منقول ہے کہ

قسمہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین المسلمین علی السہام۔

ان کی جائداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں حصہ کے مطابق تقسیم کر دیا۔

خیبر کی جائداد اب تک مسلمانوں کو جتنی جائدادیں ملی تھیں۔ ان میں سب سے بڑی جائداد خیبر میں ملی خیبر کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ خمس نکالنے کے بعد اس کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مگر یہ بات[2] کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ خیبر کے منقولہ اموال کی تقسیم تو اسی طرح کی گئی جس طرح اس سے پہلے آپ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۳) وہ یہ کہ آپ نے منقولہ اموال اور مکان مہاجرین میں تقسیم کیا زمین اور باغ نہیں اسی کو راویوں نے یوں بیان کیا کہ آپ نے ان کے اموال کو مہاجرین میں تقسیم کیا۔ یہ توجیہہ اس لئے قرین قیاس ہے کہ آپ نے انصار سے پوچھا کہ بنو نضیر کے اموال کو تمہارے اور مہاجرین دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے یا صرف مہاجرین میں، انہوں نے بخوشی اس کی اجازت دے دی کہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے۔ صرف دو ضرورت مند انصاریوں کو اس میں سے حصہ دیا گیا تھا ان کا استدلال لفظ اموال پر ہے۔

[1] حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ فیجعل مجعل مال اللہ۔ اس کو اسی طرح صرف کرتے تھے جس طرح خدا کے مال کو صرف کرنا چاہیئے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپکا یہ قبضہ قبضہ مالکانہ نہیں، بلکہ قبضہ حاکمانہ تھا۔

[2] ص ۹۶ نیز زرقانی ج ۲ ص ۱۶۵ ۳ خدا نے حدیبیہ کے موقع پر یہ وعدہ کیا تھا کہ وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونہا، اللہ کثیر مال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جو تمہارے ہاتھ آئے گا۔ اس وعدہ کے ایفا کی ابتدا خیبر ہی سے ہوئی۔

فرمایا کرتے تھے [۱]۔ اور غیر منقولہ جائداد کی تقسیم یوں کی گئی کہ خمس نکالنے کے بعد پوری جائداد ۳۶ حصوں میں تقسیم کر دی گئی۔ جن میں سے اٹھارہ حصے دینی و سیاسی ضروریات کے لئے مخصوص کر لیے گئے، بقیہ اٹھارہ حصوں کو تمام فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا، ابوداؤد اور فتوح البلدان میں ہے کہ

قسم خیبر علی ستة وثلاثین سهما لرسول الله ثمانیة عشر سهما لما ینوبه من الحقوق [۲] وامر الناس والوفود وللمسلمین ثمانیة عشر سهما اقتسموها بینهم۔

خیبر کو ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا گیا، اٹھارہ حصے ان ضروریات کے لئے مخصوص کر دئے گئے۔ جو آپ کو اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے پیش آتی تھیں، مثلاً لوگوں کی نگہداشت، حادثات اور وفود کے اخراجات وغیرہ اور بقیہ اٹھارہ حصے مسلمانوں میں حصے کے مطابق تقسیم کر دے گئے۔

خیبر کے بعد فدک اور وادی القریٰ کی اراضی آپ کے قبضہ میں آئیں، فدک کے بارے میں بھی یہ مشہور ہے۔ کہ یہ جائداد آپ کی ذاتی ملکیت تھی مگر یہ صحیح نہیں ہے، چونکہ اس جائداد کے حاصل کرنے میں کوئی جنگ نہیں کرنی پڑی تھی، اس لئے آپ نے اس میں سے کسی مخصوص مسلمان کو کوئی حصہ نہیں دیا۔ بلکہ اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے آپ نے اس کو اپنے قبضہ و نگرانی میں رکھا۔ مگر اس کی ساری آمدنی مسافروں اور مہمانوں پر صرف فرماتے تھے۔

وکان یصرف ما یاتیه منها الی ابناء السبیل [۳]۔

جو کچھ اس سے آمدنی ہوتی تھی اس کو آپ مسافروں اور مہمانوں پر صرف فرماتے تھے

فدک و خیبر کے بعد مکہ فتح ہوا [۴]، مکہ کے بعد طائف و حنین قبضہ میں آئے۔ مگر ان سب کے لئے مسلمانوں کو باقاعدہ

۱؎ غزوۂ خیبر کے عین موقع پر مہاجرین حبشہ واپس آئے تھے، آپ نے ان کا حصہ بھی اس میں لگایا تھا، بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ آپ نے ان کو غیر منقول جائداد میں سے حصہ دیا، یہ صحیح نہیں ہے۔

۲؎ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی جائداد کے آپ کے ہونے کا مطلب کیا ہے۔

۳؎ فتوح البلدان ص ۳۰ و ابوداؤد میں حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں وکان الفدك لابناء السبیل۔

۴؎ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مکہ عنوۃً فتح نہیں ہوا اس لئے اس کی جائداد تقسیم نہیں ہوئی، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم نے بدلائل یہ بتایا ہے کہ یہ عنوۃً فتح ہوا، اس کے باوجود آپ نے اس کو تقسیم نہیں کیا۔ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے

جنگ کرنا پڑی، بلکہ حنین و طائف میں تو جان و مال کی بھاری قربانی بھی دینی پڑی، مگر ان تینوں جگہوں میں سے کسی جگہ کی زمین آپ نے فوجیوں میں تقسیم نہیں کی، مکہ میں صرف مہاجرین کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے ان مکانات پر قبضہ کرلیں جو ہجرت کرتے وقت وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور جن پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا، طائف کے بعد کوئی ایسا مقام نہیں تھا جس کو آپ نے باقاعدہ فتح کر کے قبضہ فرمایا ہو۔

منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کی تقسیم کے بارے میں جو طرزِ عمل آپ نے غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ طائف تک اختیار فرمایا تھا۔ اس کا ایک مختصر خاکہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں آپ حضرت عمرؓ کے اس طرزِ عمل کو دیکھیے جو انہوں نے سوادِ عراق کے سلسلہ میں اختیار فرمایا تھا، کیا حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق میں بالکل وہی طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخریق کے باغات، بنو نضیر کی جائداد، خیبر کی نصف زمین اور فدک و وادی القریٰ کی اراضی اور مکہ و طائف کے مملوکات میں اختیار فرمایا تھا۔ آپ نے بنو قریظہ کی زمین و باغات کے علاوہ کسی غیر منقولہ جائداد کو بھی مکمل طور پر تقسیم نہیں فرمایا، بلکہ بنو قریظہ کے بارے میں بھی بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس کو صرف آپ نے مہاجرین ہی میں تقسیم کیا تھا۔ انصار میں صرف تین آدمیوں نے حصہ پایا تھا، غرض یہ کہ غیر منقولہ جائداد کی آپ نے جو بھی تقسیم فرمائی وہ اس بنا پر نہیں کہ وہ لازماً فوجیوں کا حق تھا۔ بلکہ ضرورت و مصلحت کے تحت آپ نے ان کی تقسیم فرمائی۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا تعلق تمامتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے ہے جو آپ نے فے و غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں اختیار فرمایا تھا، اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے غیر منقولہ جائداد میں مختلف طرزِ عمل کیوں اختیار فرمایا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ایسا اپنے جی سے نہیں بلکہ قرآن کی ہدایت و اجازت سے کیا۔

فے و غنیمت کے سلسلہ میں قرآن نے ابتدا ہی سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات اتارنے کی کوشش کی کہ یہ مال غنیمت محض تمہاری کوششوں سے نہیں ملا ہے۔ بلکہ یہ خدا کا عطیہ و انعام ہے۔ چنانچہ پہلی بار غزوۂ بدر میں غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں مسلمانوں نے آپ سے سوال کیا تو ان کو جواب دیا گیا کہ یہ خدا اور اس کے رسول کا حق ہے۔

یسئلونک عن الانفال۔ قل
الانفال للہ و للرسول۔

تم سے یہ مال غنیمت (انفال) کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ یہ خدا اور اس کے رسول کا حق ہے۔

اس جواب کے بعد اس بارے میں ان کو کچھ اور تنبیہیں کی گئیں، اس کے بعد کچھ اور احکام دئے گئے، پھر اس کا مصرف بتایا گیا۔

واعلموا انما غنمتم من شیء فان	جان لو کہ جو مال غنیمت تم کو ملے اس میں سے پانچواں حصہ
للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ	اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور اس میں ایک قرابتدار
والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل۔	اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کا حق ہے۔

اس آیت میں غنیمت کے کل حصہ کے ⅕ کا مصرف تو بتا دیا گیا مگر بقیہ ⅘ کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی گئی، اگر منقولہ اور غیر منقولہ مال غنیمت کا ⅘ حصہ بہر صورت فوجیوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوتا تو اس کی تصریح قرآن ضرور کر دیتا، اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ سے جو اس کی تبیین و تفسیر کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولہ چیزیں اگر وہ جنگ سے حاصل ہوتی ہیں تو لازماً فوجیوں میں تقسیم کر دی جائیں گی، اور اگر بغیر جنگ کے کوئی منقولہ مال ملا ہے تو اس کو عامۃ المسلمین میں تقسیم کر دیا جائے گا، یا اس سے ان کے مفاد کا کوئی کام کیا جائے گا۔ غزوۂ بدر میں کوئی غیر منقولہ جائداد مسلمانوں کو نہیں ملی تھی۔ اور نہ ان کے سامنے اس کی تقسیم کا کوئی سوال پیدا ہوا تھا، بلکہ صرف منقولہ چیزیں ملی تھیں، اور ان ہی کو آپ نے ان کے درمیان تقسیم فرمایا تھا[1]۔ غیر منقولہ جائداد کے بارے میں اصل حکم غزوۂ بدر کے دو سال بعد یعنی ۳ھ میں بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت نازل ہوا۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم	جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا ہے۔ اس
فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب	کے لئے تم نے نہ تو گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ،
ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء	لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب
واللہ علی کل شیء قدیر (حشر)	کر دیتا ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ حکم خاص طور پر ان اموال کے بارے میں ہے جو بغیر جنگ کے اسلامی حکومت کے ہاتھ میں آئیں خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، اس کے بارے میں اس آیت میں یہ بات بتا کر کہ یہ غلبہ و اقتدار خدا کا وہ خاص فضل ہے جو اس کے رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے، اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اس غلبہ کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوا ہے، اس کو کسی خاص

[1] مگر چونکہ یہاں لفظ عام واقع ہوا ہے انما غنمتم من شیء جس سے منقولہ اور غیر منقولہ دونوں طرح کی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں، اس لئے بعض ائمہ نے آپ کے اس طرز عمل پر جو آپ نے منقولہ اموال کے بارے میں اختیار فرمایا تھا۔ غیر منقولہ چیزوں کو بھی قیاس کیا، مگر یہ قیاس ہے اور آگے قرآن کی صراحت آ رہی ہے۔

فرد کی ملکیت میں نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس کا اصل مالک تو خدا ہے، اور خدا کی نیابت اس دنیا میں نبی کرتا ہے، اس لئے اس کا مصرف اپنی صواب دید سے وہی مقرر کرے گا[1]۔ چنانچہ مذکورہ آیت کے بعد پھر متعدد آیتیں اس کی توضیح کے لئے نازل ہوئیں، جن میں واضح طور پر بتایا گیا کہ آئندہ جو بھی جائداد ہاتھ آئے گی، وہ کسی مخصوص گروہ کا حصہ نہیں ہوگی، بلکہ اس میں موجودہ مسلمانوں کے ساتھ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کا حق بھی ہے، اور اس تقسیم کا حق چند قیود کے ساتھ صرف امام وقت یا حکومت راشدہ کو ہوگا، وہ آیتیں یہ ہیں:۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم و ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب[2][3]۔	جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دوسری بستی والوں سے رسول کو دلوادیا ہے، اس میں خدا کا حق ہے اور رسول کا حق ہے، قرابتداروں یتیموں کا حق ہے اور غریبوں اور مسافروں کا حق ہے، تاکہ وہ تمھارے چند دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرنے لگے جو کچھ رسول تم کو دیں وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دیں رک جاؤ اور اس بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس کے بعد پھر فقرائے مہاجرین کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر انصار کا، پھر اس کے بعد آئندہ آنے والے مسلمانوں کے حق کے بارے میں وضاحت کی گئی والذین جاء و من بعدھم، اور ان کے بعد جو مسلمان آئندہ آئیں گے ان کا حق بھی اس میں ہے (حشر، رکوع ۲)

---

[1] اس آیت کی تفسیر کے لئے احکام القرآن جصاص اور احکام القرآن قاضی ابوبکر بن عربی مالکی اور زاد المعاد دیکھنی چاہیے۔

[2] یہاں تک تو ان ہی مصارف کا ذکر ہے جن کا ذکر سورۂ انفال میں خمس کے سلسلہ میں کیا گیا تھا، مگر آگے اس کے مصارف کو بالکل عام کر دیا گیا ہے۔

[3] ان آیات کی جو تشریح امام ابوبکر جصاص نے کی ہے وہ ملاحظہ ہو، سورہ انفال کی آیت واعلموا انما غنمتم کے بارے میں فرماتے ہیں فی الاموال سوی الارضین و فی الارضین اذا اختار الامام ذالک پھر سورۂ حشر کی ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں وما افاء اللہ علی رسولہ من الارضین فللہ وللرسول ان اختار ترکھا علی ملک اھلھا و یکون ذکر الرسول ھھنا لتفویض الامر علیہ فی صرفہ الی من یرای یعنی سورۂ انفال کا تعلق منقولہ اموال سے ہے اور سورہ حشر کا تعلق غیر منقولہ سے ہے،

ان آیات میں تین جملے خاص طور پر قابل غور ہیں، ایک کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم اور دوسرا ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا، اور تیسرا والذین جاؤا من بعدھم پہلے جملہ میں یہ تنبیہ کی گئی کہ ان اموال کی تقسیم اس طرح نہ کی جائے کہ یہ چند مخصوص آدمیوں کے ہاتھوں میں چلے جائیں، اور ان ہی میں گردش کرتے رہیں اور دوسرے لوگ اس سے بالکل محروم رہ جائیں پھر دوسرے جملے میں یہ بات بتائی گئی کہ اس کی تقسیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح بھی کر دیں، اس پر سب کو راضی ہو جانا چاہئے کیونکہ اسلامی حکومت کے سربراہ اور حیثیت نبی آپ کو یہ حق ہے کہ ضرورت و مصلحت کے تحت آپ جس طرح چاہیں اس کو تقسیم کریں۔ تیسرے جملے میں پھر یہ بات واضح کر دی گئی کہ یہ صرف چند موجودہ مسلمانوں کا حق نہیں ہے بلکہ قیامت تک اسلامی مملکت میں جو مسلمان پیدا ہوتے رہیں گے، ان سب کا حق اس میں ہے۔

ان ہی آیات کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر منقولہ جائداد کے بارے میں دو مختلف طرز عمل اختیار فرمایا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے،

اب قرآن کی ان تصریحات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا طرز عمل کو سامنے رکھ کر حضرت عمر کے تنہا نہیں بلکہ تمام قابل ذکر صحابہ کے فیصلہ پر ایک نظر ڈالیے

عراق کا وہ زرخیز علاقہ جو دجلہ و فرات کے درمیان واقع ہے جس کی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے اس کو عرب سواد کہا کرتے تھے وہ ۱۶ھ میں فتح ہوا۔ گو اس سے پہلے شام وغیرہ کے علاقے فتح ہو چکے تھے اور ان میں سے کسی علاقہ کو آپ نے فوجیوں میں تقسیم نہیں کیا تھا مگر جب یہ سب سے زیادہ زرخیز علاقہ فتح ہوا تو بعض صحابہ کی طرف سے اس کی تقسیم کا مطالبہ ہوا، مگر حضرت عمرؓ نے اس کی تقسیم سے انکار کیا، لیکن جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ عام صحابہ سے مشورہ کر لیا جائے[۲] ان کی جیسی رائے ہوگی ویسا ہی عمل کیا جائے گا چنانچہ آپ نے سب کو جمع کرکے یہ تقریر کی، حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

---

[۱] یہ علاقہ اس وقت ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اور ان ہی سے مسلمانوں نے لیا تھا [۲] اور ممکن ہے کہ زمین کے مالک یہ علاقہ چھوڑ دیں اور ساری زمین بیکار ہو جائے۔

میں نے آپ لوگوں کو اس لئے جمع کیا ہے کہ میں نے آپ کے معاملات کی جو ذمہ داری اٹھائی ہے، اس میں آپ میری مدد کریں۔ اس لئے کہ میں بھی آپ ہی لوگوں جیسا ایک آدمی ہوں، آج آپ لوگوں کو ایک حق بات کا فیصلہ کرنا ہے، اس فیصلہ میں آپ یہ نہ دیکھئے کہ کس نے میری مخالفت کی ہے اور کس نے موافقت کی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش اور رائے کی پیروی کریں۔ آپ کے ہاتھ میں کتاب اللہ موجود ہے جو خود حق بات کو واضح کر دے گی، میں جو کچھ کہوں گا، اس کا مقصود اظہار حق ہوگا اپنی رائے مسلط کرنا نہیں ہوگا، اس تمہید کے بعد آپ نے فرمایا کہ

آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ جو لوگ سواد عراق کی تقسیم کے حامی ہیں، ان کا خیال ہے کہ میں ان کے حقوق چھین کر ان کے اوپر ظلم کر رہا ہوں، حالانکہ میں خدا سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں کسی کے اوپر کوئی ظلم کروں، اگر میں کوئی ایسی چیز جو ان کی ملکیت میں ہوتی اسے چھین کر دوسروں کو دے دیتا تو یہ البتہ میری شقاوت اور میری بدبختی ہوتی مگر میرا خیال ہے، اگر میں نے کسریٰ کی اس سرزمین کو تقسیم کر دیا تو آئندہ کوئی حصہ فتح نہ کیا جاسکے گا (کیونکہ اس کے اخراجات کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے[2]) اس لئے میری رائے ہے کہ تمام اراضی کو ان کے مالکوں کے ہاتھوں میں رہنے دیا جائے، اور ان کے اوپر جزیہ وخراج عاید کر دیا جائے اور اس سے جو آمدنی ہو اس سے فوجیوں، معصوم بچوں اور آئندہ آنے والی نسل سب کو فائدہ پہنچایا جائے

کیا آپ لوگوں نے اس پر غور کیا ہے کہ اسلامی مملکت کی سرحدوں کے لئے ایک مستقل فوج کی ضرورت ہے، جو وہاں ہر وقت پڑی رہے، کیا آپ لوگوں نے اس پہلو پر بھی سوچا ہے کہ اسلامی مملکت کے بڑے بڑے خطے اور شہر مثلاً جزیرہ شام، کوفہ بصرہ اور مصر کی حفاظت کے لئے بھی ایک مستقل فوج کی ضرورت ہے، اگر میں یہ سرزمین اس کے مالکوں سمیت فوجیوں میں تقسیم کر دوں تو اتنی بڑی فوج کا خرچ کہاں سے آئے گا۔

---

[1] جو چیز گہرے سبز رنگ کی ہوتی ہے، اس کو عرب عموماً سواد سیاہی مائل کہا کرتے ہیں [2] تمام صحابہ کے ناموں کا ذکر نہیں ہے۔ صرف حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہ وغیرہ کا ذکر ہے، مگر یہ مذکور ہے ھن کبرائھم واشرافھم ۔۔۔ جو ممتاز اور بڑے تھے، ان سب کو جمع کیا ہے

ان مصالح کا ذکر کرنے کے بعد پھر فرمایا کہ

میں نے جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ اپنے جی سے نہیں بلکہ کتاب اللہ کی روشنی میں ایسا کیا ہے۔

پھر انہوں نے سورہ حشر کی وہ آیات پڑھیں جو اوپر درج کی جا چکی ہیں، پہلی آیت ما افاء اللہ علی رسولہ منھم پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی اور آگے والی آیت ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ آئندہ فتح ہونے والی تمام بستیوں کے لئے ہے، اس کے بعد خدا نے مہاجرین کا ذکر کیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آخر میں کہا کہ

والذین جاؤا من بعدھم — ان کے بعد جو آئیں

ان آیات کی تلاوت وتفسیر کرنے کے بعد آخری ٹکڑے کے بارے میں فرمایا کہ

فکانت ھذہ عامۃ لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفیٔ بین ھؤلاء جمیعا فکیف نقسم ھؤلاء وندع من تخلف بعدھم بغیر قسم[1] — اس آیت سے ان تمام لوگوں کا حق بھی ثابت ہوتا ہے جو آئندہ آئیں گے تو جب اسی میں حاضر و غائب سب کا حق ہے تو پھر ہم صرف ان موجودہ فوجیوں میں کیسے تقسیم کر دیں اور جو ان کے بعد آنے والے ہیں ان کو محروم کر دیں

پھر کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ

لو قسمتھا بینھم فصارت دولۃ بین الاغنیاء منکم[2] — اگر میں ان کے درمیان اسی کو تقسیم کر دوں تو یہ سرزمین چند دولتمندوں کی جاگیر بن کر ان ہی میں گردش کرتی رہیں گی

اس تقریر کے بعد پورے مجمع نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا،

کیا حضرت عمرؓ کی یہ تقریر پڑھنے کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف کوئی فیصلہ کیا؟ یا کسی متفقہ اسلامی حکم کو پس پشت ڈال کر ایک نیا اجتہاد کیا، اس تقریر کے ایک ایک حرف سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کتاب اللہ کی تصریحات سے مجبور ہو کر کیا، پھر حضرت عمرؓ نے جن اجتماعی مصالح کا ذکر کیا ہے وہ خود اپنی جگہ پر اتنے اہم تھے کہ اس کے علاوہ کوئی فیصلہ کرنا اسلامی مملکت کو ختم کرتے اور جہاد کی روح کی بالیدگی کو روک دینے کے ہم معنی تھے

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف [2] احکام القرآن جصاص تشریح سورہ حشر

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کا ذکر کیوں نہیں کیا جو آپ نے بنو نضیر، خیبر، مکہ، اور طائف وغیرہ میں اختیار فرمایا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں جن اجتماعی مصالح کے پیش نظر مختلف طرز عمل اختیار فرمایا تھا ان کو نہ سمجھنے اور ان کے ہر پہلو پر نظر نہ ہونے ہی کی وجہ سے تو یہ اختلاف رونما ہوا تھا، اس لئے اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ کتاب اللہ سے کوئی محکم دلیل پیش کر دی جائے، تاکہ پھر کسی کو چون وچرا کی گنجائش باقی نہ رہے اور حضرت عمرؓ نے یہی کیا،

(۲) چوروں کی سزا کی منسوخی | قرآن نے چوری کی سزا میں ایک ہاتھ کاٹ لینے کا حکم دیا ہے چنانچہ اس حکم کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقؓ نے ہمیشہ چوروں کو یہ سزا دی، مگر حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قحط کے زمانہ میں اس کی سزا کو بند کر دیا تھا،

اگر حضرت عمرؓ نے قطع ید کی سزا کو مطلقاً بند کر دیا ہوتا تو یقیناً یہ کہا جا سکتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے کتاب و سنت کے ایک ثابت شدہ حکم میں اپنے اجتہاد سے تبدیلی کی، مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ سزا مطلقاً منسوخ نہیں کی بلکہ قحط کے زمانہ میں ایسا کیا تھا، اب یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کیا حضرت عمرؓ کو مطلقاً نہ سہی قحط کے زمانہ میں اس سزا کو بند کر دینے کا حق تھا، کیا کتاب و سنت میں اس کی کوئی دلیل و مثال موجود ہے، آئندہ سطروں میں ہمیں اس سوال کا جواب دینا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جس قحط میں چوروں کا ہاتھ کاٹنا بند کر دیا تھا، اس کی ہلاکت خیزی کا حال یہ تھا کہ پورے جزیرہ میں خاک اڑنے لگی تھی، سرسبزی اور شادابی کا نام ونشان تک باقی نہ تھا، فقر وفاقہ کی وجہ سے لوگ مردار اور چمڑے تک کھا جاتے تھے، اسی ہلاکت خیزی کی وجہ سے اس قحط کا نام عام الرمادہ پڑ گیا تھا، رماد خاک اور راکھ کو کہتے ہیں، یعنی اس قحط میں ہر طرف خاک ہی خاک اڑتی نظر آ رہی تھی، اور لوگ فقر وفاقہ کی وجہ سے زمین سے لگ گئے تھے، اور ان کے چہرے اور جسم کا رنگ تک سیاہ پڑ گیا تھا،

یہ قحط ۱۸ھ میں پڑا تھا، اور اس نے پورے جزیرہ عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اور اس کا سلسلہ تقریباً چھ سات ماہ تک رہا، اس میں عام باشندوں کا حال یہ تھا کہ وہ گھاس پھوس ہی نہیں بلکہ مردار، چمڑے اور ہڈی کا ستو کھانے پر مجبور ہو گئے تھے، حضرت عمرؓ ایک دن قحط کے انتظام کے سلسلہ میں گشت لگا رہے تھے کہ مدینہ کے قریب کچھ خانہ بدوش لٹیرے یا دشمن قسم کے

لوگ[1] نظر آئے، آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ یہاں کیسے آئے، بولے کہ فقر و فاقہ کی شدت نے مدینہ کے قریب آنے پر مجبور کیا[2] اس کے بعد ان لوگوں نے ایک مردار جانور کی بھنی ہوئی کھال نکالی، اور اس کی ہڈیوں کو نکال کر اس کا ستو بناتے لگے تاکہ اس کو کھائیں حضرت عمرؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو چادر بچھا کر وہیں بیٹھ گئے، خود اپنے اہتمام میں ان کے لئے کھانا پکوایا اور ان کو اپنے سامنے کھلایا، پھر اپنے خادم اسلم کو مدینہ بھیج کر چند اونٹ اور کچھ کپڑے منگوائے۔ اور ان کو کپڑا پہنا کر اور اونٹوں پر سوار کر کے وہاں سے واپس کر لیا۔

جب تک قحط کا سلسلہ رہا حضرت عمرؓ دن بھر روزے سے رہتے تھے، حکم تھا کہ ان کے سامنے گیہوں کی روٹی اور گھی نہ لایا جائے، بلکہ صرف زیتون کا تیل اور جو کی روٹی لائی جائے، اسلم کا بیان ہے کہ ہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے جلد قحط کی کیفیت دور نہ کی تو حضرت عمرؓ ہلاک ہو جائیں گے[3]۔

اس قحط سالی کے رفع کرنے کے سلسلہ میں جو تدبیریں اختیار کی گئی تھیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت کی ساری مشنری اس میں لگا دی گئی تھی، اور سارے ذرائع اس کے لئے وقف کر دیئے گئے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں حسب ذیل تدبیریں اختیار .... کی گئیں

(۱) بیت المال میں جو کچھ تھا وہ سب غربا و مساکین پر تقسیم کر دیا گیا (۲) احتکار کرنے والوں کو سختی سے ذخیرہ اندوزی کرنے سے روکا گیا (۳) تمام ممالک محروسہ کے امرا کو مدینہ غلہ بھیجنے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ مستحقین میں مفت تقسیم کیا جائے، چنانچہ اس حکم کے مطابق شام سے حضرت ابو عبیدہ نے غلہ سے لدے ہوئے چار ہزار اونٹ بھیجے، حضرت عمروؓ بن عاص نے مصر سے بحیرۂ قلزم کے راستہ سے ایک سو کشتی غلہ روانہ کیا (۴) اس پوری مدت میں خود حضرت عمرؓ نے نہ گوشت، گھی، گیہوں، کھایا اور نہ دودھ کا ایک قطرہ چکھا، ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسروں پر بھی پڑا ہوگا۔

یعقوبی کا بیان کہ روزانہ سیکڑوں اونٹ ذبح کیے جاتے تھے اور ان کا گوشت پکا کر مستحقین کو

[1] اصل میں لفظ محار میں استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں [2] یا تو ان کا ارادہ لوٹ مار کا تھا یا پھر مدینہ کے قریب اس غرض سے آئے ہوں گے کہ شاید یہاں کفاف کا کوئی انتظام ہو سکے [3] ازالۃ الخفاج ۲ ص ۱۸۴ [4] سیرت عمر بن خطاب ابن جوزی ص ۶۹

کھلایا جاتا تھا، غلہ کی مفت تقسیم کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا[1]

حضرت عمرؓ نے عام اعلان کرا دیا تھا کہ اگر خدا نے اس قحط سے جلد نجات نہ دی تو ہر کھاتے پیتے گھر میں چند غریبوں قحط زدوں کو بھیج دوں گا، تاکہ وہ اپنے کھانے میں ان کو شریک کر لیا کریں، کیونکہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کھا لیں گے تو دونوں ہلاکت سے بچ جائیں گے[2]

یہ اس قحط کی مختصر کیفیت بیان کی گئی ہے جس میں حضرت عمرؓ نے قطع ید کی سزا کو منسوخ نہیں بلکہ ملتوی کر دیا تھا۔

سور نجس العین ہے، مگر قرآن نے اس بھوکے مضطر کو سد رمق کے بقدر اس کا گوشت بھی کھا لینے کی اجازت دی ہے، شراب، مردار وغیرہ کو قرآن نے قطعی حرام قرار دیا ہے، مگر یہ چیزیں بھی ان لوگوں کے لئے بقدر سد رمق حلال ہیں جو فقر و فاقہ کی وجہ سے موت کے منہ میں جا پہنچے ہوں۔

غور کرنے کی بات ہے جس قحط میں لوگوں کے اضطرار کی یہ حالت ہو کہ وہ گھاس پھوس نہیں بلکہ ہڈی اور مردار کھا کر پیٹ بھرنے پر مجبور ہوں اور بھوک و فاقہ کی وجہ سے زمین سے لگ گئے ہوں اور ہزاروں من غلہ اور گوشت مفت تقسیم کرتے کے بعد بھی لوگوں کے موت کے پنجے سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو، اور حضرت عمرؓ ان کو موت کے منہ سے بچانے کے لئے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں کہ ایک ایک، دو دو، فاقہ مستوں کو ہر کھاتے پیتے گھر میں بھیج دیا جائے گا، ایسی صورت میں حضرت عمرؓ السارق والسارقۃ کے حکم کے تحت ان لوگوں کے ہاتھ کاٹتے جو اپنے کو موت سے بچانے کے لئے چوری ۔ ۔ ۔ ۔ پر مجبور ہو گئے تھے، یا وہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ والی آیت کے تحت ان کو مضطر قرار دے کر قطع ید کی سزا کو تھوڑے دن کے لئے ملتوی کر دیتے اس موقع پر شریعت کے حکموں میں سے کسی حکم کو ترجیح دینا شرعی مصلحت کے مطابق تھا، کیا سزا کا موقوف کرنا منشائے قرآنی کے زیادہ مطابق تھا یا اس کو نافذ کرنا؟

پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا جو حکم دیا ہے، وہ بالکل مطلق ہے تو کیا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر کوئی کسی کی ایک سوئی، ایک ورق کاغذ، ایک ٹبی صابن چرا لے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا، قرآن کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سیرت ابن خطاب ابن جوزی ص ۷۰ [2] ایضاً ص ۷۰

نے معمولی چیزوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔

مروان کے زمانہ میں کسی غلام نے کسی کی تھوڑی سی کھجور چرالی، کھجور والے نے مروان کے پاس دعویٰ کیا، مروان نے غلام کو قید کر دیا، اور ارادہ کیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیں، اس غلام کا مالک ایک معروف صحابی رافع بن خدیج کے پاس گیا اور شرعی حکم دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا قطع فی ثمر و کثر پھل اور کھجور کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا، مالک حضرت رافع کو لے کر مروان کے یہاں پہنچا اور اس کی یہ حدیث نبوی سنوائی، مروان نے فوراً غلام کو رہا کر دیا (ابوداؤد مع معالم السنن)

اس حدیث کی روشنی میں ائمہ نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ دودھ، پکے ہوئے کھانے تازہ پھل اور گوشت پرند وغیرہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ حضرت عمرو بن عاص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار درخت میں لگے ہوئے پھل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا،

ما اصاب منہ من ذی حاجۃ	اگر کوئی ضرورت سے مجبور ہو کر کچھ پھل
غیر متخذ خبنۃ فلا شئ علیہ	کھا لے تو اس پر کوئی سزا نہیں ہے البتہ
	اس کو گٹھری باندھ کر گھر نہ لے جانا چاہیے

یہ فرمانے کے بعد آپ نے ایک اصول مقرر فرما دیا:۔

ومن سرق شیئاً بعد ان یؤویہ	غلہ و پھل کے کھلیان یا گھر میں پہنچ جانے کے
الجرین فبلغ المجن فعلیہ	بعد جو شخص اس میں چوری کرے گا تو اگر ایک ڈھال[۵۲]
القطع (ابوداؤد)	کے بقدر چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا

پہلے جملہ میں تو آپ نے اہل ضرورت کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ بغیر اجازت کسی باغ سے پھل وغیرہ کھالیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ باندھ کر گھر لے جانے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے، دوسرے جملے میں فرمایا کہ اگر کسی نے پھل یا غلہ کاٹ کر یا توڑ کر کھلیان یا گھر میں رکھ لیا ہے تو پھر اس کی چوری میں ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا۔ جب کہ وہ چار چھ روپے کی قیمت کا ہو، دو چار آنہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بغیر ضرورت دو چار آنے کی چیز چرانے والے کو کوئی سزا نہ دیجائے گی،[۵۱]

[۵۱] اگر وہ ایسا کرے گا تو پھر اس کو سزا بھی دی جائے گی اور اس سے تاوان بھی لیا جائے گا [۵۲] ڈھال کی قیمت کے بارے میں ائمہ مختلف الرائے ہو گئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے دس درہم سرقہ کا نصاب مقرر کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ کے تین درہم

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کے عام حکم کے تحت اتنی تخصیص فرمائی ہے کہ اگر کوئی حاجتمند چھوٹی موٹی چیزیں بغیر اجازت استعمال کرلے یا چھپالے تو اس کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی تو جب عام الرمادہ میں لوگ اس سے زیادہ محتاج ضرورت مند تھے اور حضرت عمرؓ نے قطع ید کی سزا ملتوی کر دی تو ان کا یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف کیسے ٹھہر گیا، یہ تو نبی صلی اللہ علیہ سلم کی تبیین و تخصیص کے عین مطابق تھا،

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کی وضاحت کے لئے ان کے ایک دوسرے فیصلہ پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے جو انہوں نے اہل اضطرار کے بارے میں فرمایا تھا،

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کی ایک قیمتی اونٹنی حاطب بن بلتعہ کے غلاموں نے چرائی مگر وہ پکڑے گئے، اونٹنی کا مالک ان کو لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا، حضرت عمرؓ کے سامنے غلاموں نے چوری کا اقرار کر لیا حضرت عمرؓ نے ان کے مالکوں کو بلا کر واقعہ کی اطلاع دی اور کثیر بن الصلت کو بلایا اور حکم دیا کہ ان کا ہاتھ کاٹ دو، یہ حکم دینے کے بعد ہی حضرت عمرؓ کو علم ہوا کہ غلاموں نے فقر و فاقہ سے مجبور ہو کر یہ غلط قدم اٹھایا تھا، حضرت عمرؓ نے غلاموں کے مالک کو بلوایا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم نہ ہوتا کہ تم ان سے کام لیتے ہو اور ان کو اتنا فاقہ مست رکھتے ہو کہ ان میں سے کوئی حرام چیز کھالے تو اس کے لئے حلال ہو جائے، تو میں ان کا ہاتھ ضرور کاٹ دیتا، مگر اب ان کا ہاتھ کاٹنے کے بجائے تم کو سزا دوں گا چنانچہ مالک سے اونٹنی کی قیمت پوچھ کر ان سے اس کی قیمت دلوائی[1]

آخر میں ہم حافظ ابن قیم کا وہ تبصرہ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ پر کیا ہے لکھتے ہیں:۔

فان السنة اذا كانت سنة مجاعة وشدة	قحط کے زمانہ میں فقر و فاقہ کی شدت عام آدمیوں
غلب على الناس الحاجة والضرورة	کو اتنا مجبور اور ضرورتمند بنا دیتی ہے کہ
فلا يكاد يسلم السارق من ضرورة	چور کے لئے بھی یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ سد
تدعوه الى ما يسد به رمقه	رمق کے لئے چوری سے محفوظ رہ سکے۔

[1] اعلام الموقعین ج ۲ ص ۳۴

پھر ایک طویل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

وھو مأذون لہ فی مقابلۃ صاحب المال علی أخذ لیسد رمقہ وعام المجاعۃ بکثرۃ فیہ المحاویج والمضطرون۔ ولا یتمیز المستغنی منہم والسارق بغیر حاجۃ فاشتبہ من یجب علیہ الحد بمن لا ..... یجب علیہ فدرئ [1] نعم اذا بان ان السارق لا حاجۃ بہ وھو مستغنی عن السرقۃ قطع [2]

چور کو یہ ڈھیل صرف ان دولتمندوں کے مقابلہ میں دی گئی ہے کہ ان کا مال وہ اس طرح لیکر اپنے جسم و جان کے رشتہ کو قائم رکھ سکیں اور پھر یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہئے کہ قحط کے زمانہ میں ضرورتمندوں، بھوکوں، اور مضطروں کی کثرت ہوتی ہے اور اس زمانہ میں یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہوتا ہے کہ کون مستغنی ہے اور ضرورت کے بغیر اس نے چوری کی ہے اور کس نے واقعی ضرورت سے مجبور ہو کر چوری کی ہے اس اشتباہ کی وجہ سے درگذر کیا گیا، البتہ جب یہ واضح ہو جائے کہ چوری کرنے والے کو واقعی اس غلط اقدام کی کوئی ضرورت نہیں تھی تو اس کا ہاتھ ضرور کاٹ دیا جائے گا

ان تفصیلات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں،

(۱) حضرت عمرؓ نے اس سزا کے التواء کا حکم اس لئے دیا کہ قحط کی حالت ایک اضطرار کی حالت ہوتی ہے، جس میں آدمی سد رمق کے لئے حرام کھانے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس لئے قرآن کی رخصت کے مطابق اہل اضطرار سے درگذر کرنا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ اس رخصت اور درگذر کے ساتھ اجرائے حد کا کوئی موقع نہیں رہ جاتا،

(۲) سزا کے التواء کا عام حکم اس لئے دیا گیا کہ اس وبائے عام کے وقت اہل حاجت اور غیر اہل حاجت یا مضطر اور غیر مضطر میں فرق کرنے کا نہ تو موقع ہی تھا اور نہ یہ ممکن ہی تھا، اس لئے اس اشتباہ کی حالت میں

---

[1] اشارہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف جس میں آپ نے فرمایا کہ شبہ کی حالت میں حد کے اجراء سے باز رہو

[2] اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۳

بقیہ بر ص ۱۲۳